19

عقائد کا فیصلہ کسی بورڈ سے نہیں کرایا جا سکتا

(فرمودہ 19 جولائی 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میرے سامنے اخبار پیغام صلح کے ایک مضمون کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے جس میں مولوی محمد علی صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ میں تین ماہ سے فیصلہ کا ایک آسان طریق پیش کر رہا ہوں مگر اسے قبول نہیں کیا جاتا اور وہ طریق یہ ہے کہ اختلافی مسائل کا تصفیہ دونوں جماعتوں کے امام آپس میں کر لیں اور فیصلہ کے لئے ایک بورڈ مقرر کر لیا جائے جس میں دس ممبر ہوں۔ پانچ مَیں ان کی جماعت میں سے چُن لوں اور پانچ وہ ہماری جماعت میں سے چن لیں اور پھر یہ بورڈ فیصلہ کر دے کہ کس کے عقائد صحیح ہیں۔

مولوی صاحب کا خیال یہ ہے کہ وہ یہ طریق تین ماہ سے پیش کر رہے ہیں مگر جہاں تک مجھے یاد ہے وہ غالباً 1915ء سے یہ طریق پیش کر رہے ہیں اور اس طرح تین ماہ نہیں بلکہ 23 سال ان کی اس تجویز پر گزر چکے ہیں۔ اور میں نے اس 23 سال کے عرصہ میں اسے قبول نہیں کیا بلکہ کئی دفعہ اس کا جواب بھی دے چکا ہوں۔ اس تجویز پر اول تو مجھے یہ اعتراض ہے کہ مذہبی عقائد کا فیصلہ کوئی دوسرا شخص کرے وہ پانچ آدمی تو الگ رہے جو وہ ہماری جماعت سے منتخب کریں گے اور وہ بھی الگ رہے جو میں ان کی جماعت سے کروں گا میں تو مذہبی عقائد کے بارہ میں اپنی بیوی، بیٹوں اور بھائیوں کا فیصلہ بھی منظور کرنے کو تیار نہیں۔ مجھے شریعت میں

کوئی ایسی چیز نہیں ملتی کہ خدا تعالیٰ کے سامنے میرے عقائد کے متعلق کوئی دوسرا شخص جوابدہ ہو سکے گا۔ خدا تعالیٰ کے سامنے میرے عقائد کے متعلق نہ کوئی بھائی جوابدہ ہو سکتا ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی اور نہ کوئی اور عزیز۔ اس کے لئے میں خود ہی جوابدہ ہو سکتا ہوں۔ میرے عقیدہ کا سوال میرے ہی لئے ہے اور میں اس میں کسی دوسرے کا فیصلہ کیوں قبول کروں اور اس سے یہ معلوم کروں کہ میرا عقیدہ غلط ہے یا صحیح؟ جو اسے غلط سمجھتا ہے وہ تو پہلے ہی اسے غلط کہتا ہے اور جو صحیح سمجھتا ہے وہ پہلے ہی صحیح سمجھتا ہے۔ پھر فیصلہ کرنے کے وقت کون سی کوئی ایسی نئی بات مولوی صاحب پیش کریں گے کہ وہ اپنا خیال تبدیل کر لے گا۔ آخر ایسے پنچ انہی لوگوں میں سے مقرر کئے جاسکتے ہیں جو عالم ہوں اور جو عالم ہیں انہوں نے پہلے ہی کافی غور کر لیا ہؤا ہے۔ وہ اپنے خیال کو تبدیل کیونکر کر سکیں گے۔ یا تو مولوی صاحب اعلان کریں کہ انہوں نے کوئی ایسے نئے حوالے دریافت کئے ہیں جو پہلے پیش نہیں ہوئے اور اگر یہ بات نہیں تو پھر پہلے ہی حوالوں سے وہ لوگ اپنے عقیدہ کو کس طرح تبدیل کر لیں گے جو اِن پر سالہا سال تک غور کر چکے ہیں اور عَلٰی وَجْہِ الْبَصِیْرَت اپنے ایمان پر قائم ہیں اور جو لوگ ایسے نہ ہوں وہ میرے نمائندے کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یا کیا پھر مولوی صاحب ایسے لوگ چنیں گے جن کو پہلے ان حوالوں کا بھی پتہ نہیں جو آئے دن پیش ہوتے رہتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا دو عالموں پر چند جاہل فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے جائیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کیا فیصلہ کر سکیں گے۔ پھر کسی انسان کے فیصلہ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ کے معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہا ہے اور ہماری جماعت میں سے ان کے چُنے ہوئے پانچ آدمی تو درکنار اگر سو فیصدی جماعت بھی اس کے خلاف فیصلہ کرے تو مَیں کبھی نہیں مانوں گا بلکہ صاف کہہ دوں گا کہ تم لوگ جدھر مرضی ہے جاؤ میرا عقیدہ یہی رہے گا۔ پس مَیں کسی کا یہ حق نہیں سمجھتا خواہ اسے مولوی محمد علی صاحب نے ہماری جماعت سے چُنا ہو یا میں نے ان کے گروہ سے کہ میرے عقائد کے متعلق فیصلہ کرے کہ صحیح ہیں یا غلط اور جب مَیں اسے جائز ہی نہیں سمجھتا تو اس طریق کو اختیار کیسے کر سکتا ہوں اور جس فیصلہ کی

میرے نزدیک قیمت ہی کوئی نہیں میں دوسروں کے سامنے اسے پیش کر کے کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ اس کی قدر کرو۔ انتظامی اور دنیوی امور میں تو ججوں کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگ ان کے فیصلوں کو مانتے بھی ہیں مگر دینی امور میں نہیں۔ دنیوی امور میں عقیدہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ وہاں صرف حقوق کا سوال ہوتا ہے۔ اس میں جج غلطی بھی کر سکتا ہے مگر چونکہ شخصی حقوق پر قومی امن مقدّم ہوتا ہے باوجود ججوں سے غلطی کے امکان کے ان کے فیصلوں کو مانا جاتا ہے اور منوایا جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ فیصلے ضرور درست ہیں بلکہ اس لئے کہ خواہ وہ غلط ہوں ان پر عمل کرنے سے ہی ملکی امن قائم رہتا ہے۔ رسول کریم ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو مگر اپنی چرب زبانی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے۔ اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ میرا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا اسے خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔ اگر دیدہ دانستہ وہ دوسرے کا حق لے گا تو قیامت کے دن وہ ضرور اس کی سزا پائے گا۔1 پس جبکہ آنحضرت ﷺ بھی قضاء کے فیصلوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ دھوکا دے کر مجھ سے بھی غلط فیصلہ کرایا جا سکتا ہے تو اور کون سا جج ہو سکتا ہے جس سے غلطی نہ ہو سکے مگر باوجود اس کے افراد سے یہ امید کی جاتی ہے کہ خواہ وہ فیصلہ ان کے نزدیک درست ہو یا غلط اس کو تسلیم کر لیں اور یہ ایک قربانی ہے جو قومی امن کے قیام کی خاطر ان سے طلب کی جاتی ہے مگر دین کے معاملہ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ میں ایک دفعہ شیخ یعقوب علی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ مَیں نے خواجہ صاحب سے کہا تھا کہ باہم اختلاف درست نہیں۔ چنانچہ میری نصیحت کا اثر ہؤا ہے اور انہوں نے مجھے بھجوایا ہے کہ آؤ صلح کر لیں۔ مَیں نے انہیں جواب دیا کہ میرا اور خواجہ صاحب کا اختلاف کیا ہے؟ کیا کسی دنیوی معاملہ پر اختلاف ہے؟ اگر ایسا ہے تو صلح کا کوئی سوال نہیں وہ مجھ سے جو بھی مطالبہ کرتے ہیں میں اسے منظور کرتا ہوں۔ میری کوئی چیز اگر وہ لینا چاہیں تو بے شک لے لیں۔ مجھ سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں لیکن اگر اختلاف دینی ہے تو پھر نہ میرا کوئی اختیار ہے کہ اس میں سے کوئی چیز چھوڑ دوں اور نہ ان کا۔ اگر چھوڑیں گے تو پہلے اگر ایک بے دین ہے تو پھر دونوں بے دین ہو جائیں گے۔ تو عقائد کے بارہ میں

کسی کے فیصلہ کے کوئی معنی ہی نہیں۔ دینی امور میں فیصلہ ہر شخص اپنی ذات کے لئے خود کرتا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ اس وقت جماعت میں شامل ہیں انہوں نے خود اپنے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ کیا پہلے کوئی دس اشخاص کا بورڈ مقرر ہوُا تھا جس نے فیصلہ کیا کہ مرزا صاحب اپنے دعاوی میں سچے ہیں اور پھر انہوں نے مانا تھا ہر گز نہیں۔ عقائد کے بارہ میں دس تو کیا سو آدمیوں کا بورڈ ہو تو بھی انسان کے دل کو تسلی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے دینی امور میں فیصلہ کا طریق یہی ہے کہ انسان کے ضمیر کو تسلی ہو جائے اور دل مان لے۔ دوسروں کے فیصلہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ کیا آج بھی کروڑوں لوگ ایسے نہیں جو یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ مرزا صاحب (نَعُوْذُ بِاللہ) سچے نہیں ہیں مگر کیا ہم ان کے اس فیصلہ کو مان لیتے ہیں یا ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔ اور جب دل آپ کی صداقت پر مطمئن ہو جاتا ہے تو تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک ایسا ہے جس نے کروڑوں انسانوں کے فیصلہ کو ردّ کیا اور صرف اپنی ضمیر اور دل کے فیصلہ کو درست مانتے ہوئے جماعت احمدیہ میں شامل ہو گیا ہے۔ تو دینی امور میں دوسروں کے فیصلہ کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ ہاں دنیوی معاملات میں ان کو مان لیا جاتا ہے بلکہ اگر کوئی نہ مانے تو سب اسے یہی کہتے ہیں کہ قوم کی اکثریت کے فیصلہ کو کیوں چھوڑتے ہو۔ دنیوی امور میں اُخروی زندگی پر اثر نہیں پڑتا۔ ان کا تعلق صرف اس عارضی زندگی سے ہوتا ہے اس لئے اگر اس میں غلطی بھی ہو جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ مگر دین کا تعلق چونکہ اخروی زندگی سے ہے اس لئے دینی امور کا فیصلہ کرنے کے لئے کوئی قاضی یا جج مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ پس اگر مولوی محمد علی صاحب چاہتے ہیں کہ اپنی جماعت میں سے ان کے منتخبہ پانچ اور ان کی جماعت میں سے اپنے منتخبہ پانچ اشخاص سے مَیں اپنے عقائد کا فیصلہ کراؤں اور پھر اسے مان لوں یا اسے دنیا کے سامنے پیش کروں تو مَیں اس کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ دینی عقائد کا فیصلہ ہمیشہ انسان کی کانشنس ہی کرتی ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اسی کے فیصلہ کے مطابق انسان اپنے ایمان کا اقرار کرتا ہے۔ اگر تو وہ جھوٹ کہتا ہے تو اس کا ٹھکانا جہنم میں ہو گا لیکن اگر سچے طور پر داخل ہوتا ہے تو اگر اس کا فیصلہ غلط بھی ہو گا تو خدا تعالیٰ کی بخشش اسے ڈھانپ لے گی۔ دنیوی امور میں فیصلہ کا یہی طریق آدم سے لے کر اب تک چلا آتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی قاعدہ نہیں

اور اس کے خلاف کوئی نیا قاعدہ تجویز کرنے کے نہ مولوی محمد علی صاحب مجاز ہیں اور نہ مَیں۔ یہی طریق پہلے تھا اور یہی طریق اب ہے۔ اس کے سوا کوئی طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر اس بورڈ سے مولوی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ وہ انتظامی معاملات کا فیصلہ کرے۔ وقت کی تعیین، مجلس مناظرہ میں شرکت کے لئے موزوں اشخاص کو ٹکٹ دینا وغیرہ وغیرہ اور اس کی متعلقہ شرائط کی پابندی کرانا، تو یہ نہایت ضروری ہے اور ایسا بورڈ ضرور ہونا چاہیئے۔ دُنیوی اور انتظامی امور میں ہم اس کی بات کو پوری طرح تسلیم کریں گے یا ایسے امور میں اس کا فیصلہ مان لیں گے جن کا ہمارے یا کسی اور کے دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر عقائد کے بارہ میں اس کے فیصلہ کو نہیں مان سکتے۔

مولوی محمد علی صاحب نے اس بورڈ کا طریق انتخاب جو پیش کیا ہے اس کے متعلق میں نے ہمیشہ یہ جواب دیا ہے کہ یہ غیر طبعی ہے۔ ایسے لوگوں کا انتخاب اپنی اپنی طرف سے ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ہماری جماعت میں سے وہ منتخب کریں اور ان کی جماعت میں سے ہم۔ بلکہ ہم اپنے آدمی منتخب کریں اور وہ اپنے۔ ان کی طرف سے یہ شرط بیس سال سے زائد عرصہ سے پیش ہو رہی ہے اور اسے پیش کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ گویا بڑا تیر مارا ہے اور میں نے ہمیشہ اس کا جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم میں سے منافق چُن لیں اس کا جواب وہ یہ دیا کرتے ہیں کہ جن کو ہم منافق کہہ دیں گے ان کو وہ چھوڑ دیں گے مگر مَیں اس طرح منافقوں کا اظہار کر کے ان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کیوں دوں۔ ہم میں جو منافق ہیں ان کو نکال کر وہ اب تک اپنے ساتھ تو شامل نہیں کر سکے مگر چاہتے ہیں کہ ہم اپنوں میں سے بعض کو منافق کہہ کر ان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیں مگر وہ یاد رکھیں کہ ایسے لوگوں کے ذریعہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ کسی کام نہیں آیا کرتے۔ اب تک جتنے لوگ ہم میں سے نکلے ہیں مثلاً مستری اور مصری پارٹی وغیرہ ان میں سے کتنوں نے ان کو فائدہ دیا ہے؟ یہ بات کہ ہم خود کہہ دیں کہ فلاں منافق ہے بالکل فضول ہے۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اس معاملہ میں مَیں کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو زیادہ دلیر نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے مدینہ کے منافقوں کے نام حذیفہ بن الیمان کو مخفی طور پر بتائے تھے اور صحابہؓ ہمیشہ ان سے پوچھتے رہے مگر انہوں نے

ہمیشہ ہی بتانے سے انکار کیا اور یہی کہتے رہے کہ یہ میرے محبوب کا راز ہے جو میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب صحابہ نے یہ پتہ لگانا ہوتا کہ کون منافق ہے تا اس کا جنازہ نہ پڑھیں تو وہ دیکھ لیتے کہ حذیفہ نے اس کا جنازہ موقع ملنے کے باوجود پڑھا ہے یا نہیں۔ جس کا جنازہ وہ نہ پڑھتے صحابہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔ 2

دراصل منافقوں کے نام کا اخفاء ان کے ایمان کی حفاظت کے پیش نظر ہوتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص آج منافق ہو مگر بعد میں اس کی حالت درست ہو جائے۔ انسان کے دل کی کیفیت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ عین ممکن ہے کہ کوئی منافق بعد میں درست ہو جائے۔ اس لئے ان کے نام کا اظہار مناسب نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اکثر منافقوں کا علم غیر فریق کو ہوتا ہے اپنوں کو نہیں۔ منافق کے تو معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ ایک جماعت میں شامل رہتے ہوئے اس کے مخالفوں سے پوشیدہ تعلقات رکھے۔ اس لئے ہم میں جو منافق ہیں ان میں سے اکثر کا پتہ ہمارے دشمن کو ہی ہو سکتا ہے۔ ہمیں کیا پتہ ہو سکتا ہے؟ پس اگر وہ منافقین کو چن لیں تو ہم کو ان کا کیا علم ہو سکتا ہے یہ تو ان کو ہی پتہ ہو سکتا ہے کیونکہ انہی سے مخفی تعلقات کا نام تو نفاق ہے۔ بے شک مجھے بعض کا علم ہے مگر شریعت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کی ہدایت کے تمام ذرائع استعمال کئے بغیر ان کے نام کا اظہار کر دوں۔ کیونکہ کئی جو آج منافق ہیں ہو سکتا ہے کل درست ہو جائیں۔ اس لئے اگر مجھے علم ہو تو بھی مجھے ان کے ناموں کے اظہار کی اجازت نہیں، نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے نام ظاہر کئے، نہ صحابہؓ نے اور نہ میں کر سکتا ہوں۔ جب تک کہ وہ خود جماعت کے مقابل پر کھڑے ہو کر ظاہر نہ ہو جائیں۔ میں خود ان کو ظاہر کر کے انہیں مخالفوں کی صف میں کیوں کھڑا کروں اور ان کی ہدایت کے امکانات کیوں ختم کر دوں؟

حدیث میں آتا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص کے متعلق ذکر کر رہے تھے کہ وہ ایسا بُرا ہے، اس نے یہ خرابی کی یہ کی۔ اتنے میں وہی شخص آ گیا آپ نے اٹھ کر دروازہ کھولا، اسے بٹھایا اور اس سے باتیں کرنے لگے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ ابھی تو

آپ اس کی مذمت کر رہے تھے اور ابھی اس کا اعزاز کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ میں اس کے شر کو بے موقع ظاہر ہونے دوں۔ 3 اور اس طرح آپؐ نے بتایا کہ جب تک کسی کے شر کے اظہار کا وقت نہ آئے اسے خود ظاہر کر کے دشمن بنا لینا ضروری نہیں۔ ممکن ہے وہ ایمان ہی لے آوے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل دو وجوہ سے ہی ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ آپؐ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذَالِکَ اس سے ڈرتے تھے کہ یہ مجھے نقصان پہنچائے گا مگر اس قسم کا خیال آپ کے متعلق نہیں کیا جا سکتا اور دوسرے اس وجہ سے کہ پیشتر اس کے کہ اس کا شر ظاہر ہو میں اسے دشمنوں کی صف میں کیوں کھڑا کر لوں اور اصل وجہ یہی ہے۔ یہ دراصل رحمت کی وجہ سے ہے اور آپ نے جو کچھ کیا اس کے یہی معنے تھے کہ اس کے لئے ہدایت کا دروازہ کھلا رہے۔ اور آپ کا یہی طریق مجھے بھی مجبور کرتا ہے کہ اگر مجھے علم ہو تو بھی مَیں کسی کا نام ظاہر نہ کروں۔ جب تک کہ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم ہو جائے کہ اب اسے ہدایت نہیں ہو گی اور یا پھر وہ خود ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ مجھے سب کا علم ہو۔

باقی رہا ان کا یہ اعتراض کہ اس سے معلوم ہؤا ہماری جماعت میں منافق ہیں اور ان میں نہیں۔ سو اِس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ میں فطرتاً منافقوں کی تلاش سے معذور ہوں اور وہ فطرتاً منافقوں کی تلاش میں ماہر ہیں۔ ان میں تجسّس اور ٹوہ لگانے کی عادت ہے جو مجھ میں نہیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ ہم میں سے کمزوروں کا کھوج لگائیں مگر میری طبیعت ایسی ہے کہ میرے پاس ان کے قریب ترین عزیزوں کی چِٹھیاں آئیں کہ ہم ان سے بیزار ہیں مگر میں نے ان کو یہی جواب دیا کہ ایمان کو کھیل مت بناؤ۔ ابھی ٹھہرو اور صبر کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ میری فطرت ہی ایسی نہیں کہ میں ایسے جوڑ توڑ کرتا رہوں کہ ان میں سے کون ان کا مخالف ہے اور کون کمزور ہے مگر وہ فطرتاً مجبور ہیں کہ ایسے لوگوں کی ٹوہ میں رہیں اور ان کو اپنے گردو پیش جمع رکھیں۔ چنانچہ تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ان لوگوں کو جو ہماری جماعت سے نکلے اپنے گرد اکٹھا کیا۔ انہوں نے مستریوں کو مدد دی مصریوں کو دی۔ اس پر ان کی جماعت کے ریکارڈ گواہ ہیں گو وہ مُنہ سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں

مگر ہمارے پاس اس بات کی قطعی اور یقینی شہادتیں ہیں کہ وہ ان لوگوں کی امداد کرتے رہے۔ ان کی بغداد کی جماعت کے سیکرٹری نے خود بیان کیا کہ میرے پاس مرکز لاہور سے ان لوگوں کے اشتہار اور ٹریکٹ تقسیم کے لئے آتے رہے ہیں تو وہ ہمیشہ اشاعت کے ذریعہ سے بھی اور روپے سے بھی ان لوگوں کی مدد کرتے رہے ہیں مگر میرا طریق یہ ہے کہ میں ان سے بیزار ہونے والوں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا رہا ہوں کہ اپنے دین کی اصلاح کی طرف توجہ کرو۔ گالیاں دینے کو مذہب نہ بناؤ ورنہ تمہیں نہ وہاں ہدایت نصیب ہوئی ہے اور نہ یہاں ہو گی۔ پس یہ بات نہیں کہ منافق ہماری جماعت میں ہی ہیں ان میں نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ ہمارے کمزوروں کی جستجو کرتے رہتے ہیں مگر ہمارا یہ طریق نہیں اور میں فطرتاً ایسا نہیں کر سکتا۔ پس بورڈ کے انتخاب کا جو طریق وہ اختیار کرتے ہیں وہ بالکل غیر طبعی ہے اور کوئی معقول انسان اسے قبول نہیں کرے گا۔ وہ کہتے ہیں وہ تین ماہ سے یہ بات پیش کر رہے ہیں اور میں نے کہا ہے قریباً 23 سال سے وہ یہ کہہ رہے ہیں لیکن اگر سو سال بھی کہتے رہیں تو یہ نہیں مانی جا سکتی کہ ہم عقائد کا فیصلہ کسی بورڈ سے کرائیں۔ ہاں انتظامی امور کی نگرانی کے لئے بورڈ ہو سکتا ہے مگر ہمارے نمائندے وہ ہوں گے جن کو ہم منتخب کریں اور ان کے وہ جنہیں مولوی محمد علی صاحب یا اور کوئی جسے ان کی انجمن اختیار دے منتخب کریں۔ پس اگر وہ اس طریق پر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ وہ چاہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں ان کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے اور وہ ہمیشہ ایسی تدابیر کرتے رہتے ہیں جس سے دوسروں کو ہدایت سے محروم رکھ سکیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ صداقت آخر غالب آ کر رہے گی اور ان کی ساری تدابیر ھباء ہو کر اُڑ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی روشنی ان کی کمزوریوں کو خود ظاہر کر کے دوسروں کے لئے ہدایت کے سامان کر دے گی۔ اگر مولوی محمد علی صاحب کو سچائی کے اظہار کی ضرورت ہے تو اس سے بہتر ترکیب میں نے کئی بار ان کے سامنے پیش کی ہے۔ وہ اسے کیوں اختیار نہیں کرتے؟ میں نے کئی بار کہا ہے کہ صحیح عقائد وہی ہو سکتے ہیں جن کا ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عَلَی الْاِعْلَان اظہار کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں وہ جن عقائد کا اظہار کیا کرتے تھے مَیں ان کی

تحریروں سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں اور وہ ان کے نیچے لکھ دیں کہ آج بھی میرا عقیدہ یہی ہے اور وہ میری اس زمانہ کی تحریروں سے میرے عقائد نکال دیں اور میں لکھ دوں گا کہ آج بھی میرے عقائد یہی ہیں ہم دونوں مُنہ سے یہی کہتے ہیں کہ ہمارے عقائد آج بھی وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھے۔ پس اس طرح اس زمانہ کی تحریرات سے ہم ایک دوسرے کے عقائد نکال کر پیش کر دیں اور دونوں اپنے اپنے عقائد کے نیچے لکھ دیں کہ آج بھی ہمارے عقائد یہی ہیں اور پھر دونوں کے عقائد کتاب کی صورت میں شائع کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی دونوں کی یہ تحریریں بھی چھپ جائیں کہ ہمارے عقائد آج بھی یہی ہیں۔ یہ ایسا سادہ طریق ہے کہ نہ ہمیں ان کے آدمی تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کو ہمارے۔ صرف ایک دوسرے کی تحریرات کے اقتباس شائع کر دیئے جائیں۔ ہاں چونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی کی تحریر کا کوئی اقتباس ناقص ہو اس لئے ہر فریق کو حق ہو گا کہ وہ مطالبہ کرے کہ میری تحریر کا اقتباس ناقص ہے فلاں حصہ اس کے ساتھ شامل کیا جائے یا فلاں دوسری جگہ پر میرے اس کلام کی شرح موجود ہے اسے شامل کیا جائے، اس کا یہ مطالبہ پورا کیا جائے۔ (ان تشریحی عبارتوں کے لئے بھی یہ شرط ہو گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی شائع شدہ ہوں) اس طرح کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ ان کو حق ہو گا کہ ان کی کسی تحریر کا حل اگر کسی دوسری جگہ موجود ہو تو اس کے ساتھ شامل کرنے کا وہ مطالبہ کریں اور اسی طرح میری کسی تحریر کا حل اگر دوسری جگہ ہو تو میرا حق ہو گا کہ اس کے ساتھ شامل کرنے کا میں مطالبہ کروں اور یہ حل بھی ساتھ شامل کر لئے جائیں۔ یہ ایک آسان طریق ہے کہ نہ بورڈ مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور نہ مناظروں کی۔ صرف دونوں فریق کی وہ تحریرات جو زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں اکٹھی شائع کر دی جائیں اور دونوں ان پر لکھ دیں کہ آج بھی ہمارے عقائد یہی ہیں۔ اس کے بعد دنیا خود فیصلہ کر لے گی کہ اس زمانہ میں میرے عقائد اور تھے یا مولوی محمد علی صاحب کے؟ اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ میں نے اب اپنے عقائد بگاڑ لئے ہیں تو میرا اثر جاتا رہے گا اور اگر یہ ثابت ہو گا کہ ان کے عقائد اس زمانہ میں اور تھے تو ان کے ساتھیوں کے لئے یہ بات ہدایت کا موجب ہو جائے گی اور وہ یہ سمجھ

جائیں گے کہ مولوی محمد علی صاحب کے زمانۂ صحابیت کے عقائد اور تھے اور آج اور ہیں۔ یہ نہایت آسان طریق ہے اور بہترین طریق ہے۔ اگر وہ اس پر متفق ہوں تو فیصلہ نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مباحثہ ہو گا جو گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت ساتھ رکھتا ہو گا۔ باقی رہا جزئیات یا تفاصیل کا سوال کہ اس وقت کسی حوالہ کا علم نہ تھا اور وہ اب ملا ہے یا کہ اس وقت کسی لفظ کے معنی محقق نہ تھے جو اب ہوئے ہیں یہ غیر ضروری چیزیں ہیں۔ اصل سوال عقیدہ کا ہے کہ اس وقت کیا تھا۔

میرا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام امتی نبی ہیں جس کے معنے ہیں کہ وہ نبی بھی ہیں اور ساتھ ہی محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے امتی بھی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام امتی نبی ہیں ان معنوں میں کہ وہ امتی تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔ میں ان کی تحریروں میں سے یہ نکال دوں گا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کیا عقیدہ رکھتے تھے اور وہ میری تحریروں سے نکال دیں کہ اس زمانہ میں میرا عقیدہ کیا تھا۔ اور اس طرح فیصلہ نہایت آسان ہو جائے گا۔ پچیس سال سے یہ جھگڑا چل رہا ہے لیکن اگر مولوی صاحب میری اس تجویز پر عمل کریں تو فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس آسان طریق کو ماننے کو بھی تیار نہ ہوں تو ان کی مرضی۔ زمانہ خود ہی صداقت پر سے پردہ اٹھاتا جائے گا۔

اس بارہ میں ایک لطیفہ بھی میں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ مولوی محمد علی صاحب کے ساتھیوں میں سے ایک معزز نوجوان اس مجلس شوریٰ کے موقع پر یا شاید جلسہ سالانہ پر قادیان آئے تو چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے ان کے سامنے چند حوالے پڑھنے شروع کئے کہ یہ ہمارے عقائد ہیں۔ اور وہ حوالے سنا کر انہوں نے بتایا کہ یہ مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں کے اقتباس ہیں۔ تو وہ کہنے لگے ہمیں تو مولوی صاحب نے کبھی نہیں یہ بتایا کہ پہلے ان کے عقائد یہ تھے۔ پس فیصلہ کا آسان طریق یہی ہے کہ میں ان کی تحریروں کے وہ حوالے پیش کر دیتا ہوں جن سے ظاہر ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی سمجھتے تھے اور وہ میرے ایسے حوالے پیش کر دیں جن سے ان کے نزدیک یہ نکلتا ہے کہ میں اس زمانہ میں آپ کو نبی نہیں سمجھتا تھا۔ اور پھر اگر اس زمانہ کی بعض تحریروں سے ان حوالہ جات پر کوئی ایسی روشنی

پڑتی ہو جو مصنف کے نزدیک اس کے صحیح عقیدہ کو ظاہر کر رہی ہو تو اس کے مطالبہ پر اسے بھی ان اقتباسات کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ پھر دونوں کے حوالہ جات کو بصورت کتاب چھاپ دیا جائے۔ دنیا خود فیصلہ کر لے گی کہ کون حق پر ہے اور کون نہیں۔"

(الفضل 24 جولائی 1940ء)

---

1 بخاری کتاب المظالم باب اثم من خاصم فی باطل

2 اسد الغابۃ جلد اول صفحہ 532، 533 الطبعۃ الاولیٰ 1998ء مطبع دار الفکر بیروت لبنان

3 ترمذی ابواب البر والصلۃ باما جاء فی المداراۃ